|B|O|O|K| |H|O|M|E|

استخارہ

(غزلیں)

معین نظامی

اُس نے اپنے دِیے بُجھا کے کہا
جس کو جانا ہو، وہ چلا جائے

○

مصلحت کا خیال کیا رکھنا
شوق میں اعتدال کیا رکھنا

○

وہاں وہ آ گیا ہے جس کا حق تھا
مَیں اُس کے دل سے ہجرت کر رہا ہوں

○

شام ہوتے ہی جو اعصاب میں در آتی ہے
اُس پُراَسرار اذیّت سے بچا لے مجھ کو

○

غُنچہ و گُل نے تُم سے سیکھا ہے
شاخ پر اِتنا مختصر رہنا

○

اگر یہ بُوجھ سکو تُم کو کون ہے دل میں
تو پھر یہ آئنۂ جان و دل تمھارا ہوا

○

مَیں در بہ در طلَبِ خیر کر رہا ہوں مُعیّن
تمام شہر صدائے گدا سے زندہ ہے

○

کچھ دن سے تو وہ کتاب چہرہ
غزلوں کی کتاب بن گیا ہے

○

اپنا خیال کیا رکھیں گردشِ ماہ و سال میں
ہاں یہ دُعا کرو کہ ہم اُس کا خیال رکھ سکیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِستخارہ

غزلیں

مُعین نظامی

BOOK HOME

اِستخارہ

شاعر : مُعین نظامی

اہتمام	رانا عبدالرحمٰن
پروڈکشن	ایم سرور
سرورق	ریاظ
کمپوزنگ	محمد انور
پرنٹرز	آب وتاب پرنٹرز، لاہور
اشاعت	۲۰۰۸ء
ناشر	بُک ہوم لاہور

بُک سٹریٹ 46- مزنگ روڈ لاہور

فون:7231518-7245072 فیکس: 042-7310854

E-mail:bookhome1@hotmail.com - bookhome_1@yahoo.com

جواد ایس۔ خواجہ

اور

قاسم جعفری

کے لیے

قلندر وار دُنیا سے بَری ہیں

دلِ سرگشتہ ہے بُوذر ہمارا

مُعین نظامی

نہ کوئی فال نکالی ، نہ استخارہ کیا
بس ایک صبح یونہی خَلق سے کنارہ کیا

(جمال احسانی)

ترتیب

استخارہ کی شاعری

مُعین نظامی سراپا شاعر ہے اور یونیورسٹی کا اُستاد ہوتے ہُوئے شاعر ہے۔ یونیورسٹیوں کی میکانکی تحقیق اور درسی تنقید شاعر کُش ہوتی ہے، اِس لیے عام طور پر یونیورسٹیوں میں شاعر مَر جاتا ہے، ناظم بچتا ہے، لیکن مُعین نظامی نے اپنا آئینۂ ہُنر اِسی فضا میں صیقل کیا ہے۔

مُعین نظامی کے پہلے مجموعوں میں رُومانی وفُور زیادہ ہے۔ ''استخارہ'' کی شاعری میں یہ رُومانیت، ایک نئی تہذیب کے ساتھ جلوہ گر ہُوئی ہے۔ فارسی شاعری کی صُوفیانہ فضا اور اس کو بیان کرنے والی لفظیات، بیسویں صدی کی خانقاہی تہذیب اور اس کو بیان کرنے والی تہذیب، شاعر کی طبعی درویش مزاجی، ہم عصر شاعری کے داستانی عناصر، موجودہ سیاسی ومُعاشرتی صورتِ حال اور سرمایہ داری نظام کی مادیّت پرستی سے مُعین نظامی کے اُسلوبِ شعر کی تشکیل ہُوئی ہے۔ اُس نے محض ودیعت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اکتساب سے اُس کا حق ادا کیا ہے، اِسی لیے اُس کا اُسلوب اپنے عصر سے مُنسلک ہوتے ہُوئے بھی مختلف ہے۔

مُعین نظامی نے ظاہر کو ردّ نہیں کیا، بلکہ باطن کی آنکھ سے دیکھ کر اس کی نئی معنویت دریافت کی ہے۔ یہ معنویت نئی اِس لیے ہے کہ یہ گزشتہ شاعروں کے باطنی تجربے سے مختلف ہے۔ اِس اختلاف کا مرکز شاعر کا عہد اور اس عہد کے مختلف مسائل و معاملات ہیں۔ مُعین نظامی نے اپنی شاعری کی بنیاد گُم شُدہ باطنی واردات کی جُستجو پر رکھی ہے، اِس لیے اُس کی شاعری میں عشق کی سرمستی اور جذب و وفُور کی کیفیات وافر ہیں۔ یہ شاعری محض ہُنر مندی نہیں، بلکہ تخلیقی تجربے کی بازیافت سے اس تجربے کے دوران میں شاعر نے معلوم سے نامعلوم اور نامعلوم سے معلوم کا مسلسل سفر کیا ہے اور ظاہر و باطن، مجاز و حقیقت اور بصارت و بصیرت کی ثنویت کو حل کرنے کی سعی کی ہے۔

اِس مجموعے کے متعدّد اشعار میں وہ کثیرُ المعانی ابہام ملتا ہے، جو ہر شاعر کا مقدّر نہیں ہوتا۔ اِس ابہام کے پس منظر میں کہیں تو وہ اُسلوب کارفرما ہے، جو ماوَرائی رُوحانی تجربے کو گرفت میں لینے کی سعی سے مُتشکل ہُوا ہے اور کہیں وہ رُوحانی واردات ہے، جو عمومی تجربہ نہیں ہے۔ اِس مجموعے کا حاصل یہی اشعار ہیں، جن کی تعداد وقت کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ اگر مُعین نظامی دُنیا سے بچ گئے، تو نئے شاعر کی خبر دینے کا اعزاز فقیر کو ملے گا۔

(ڈاکٹر) ضیاءُالحسن

اُستادِ شعبۂ اُردو

اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور

۱۸۔ جولائی ۲۰۰۸ء

سہ تارِ حمد پہ مَطلع شروع کرتے ہیں
ثنا کے تازہ اُفق سے طُلوع کرتے ہیں

غِنا تجھی کو ہے زیبا ، ہم اہلِ حاجت ہیں
اِسی لیے تری جانب رُجوع کرتے ہیں

حضور و غیب و وجود و عدم تجھی سے ہے
گواہ تجھ کو اُصُول و فُروع کرتے ہیں

کمانِ ابروے جاناں ہی طاقِ نُصرت ہے
سو اہلِ حال وہیں پر رکوع کرتے ہیں

مرے خشوع کا مذکور کیا کہ تیرے حضور
اَزَل اَبَد کے زمانے خُضُوع کرتے ہیں

قیامِ حشر پہ موقوف گر عدالت ہے
تو حشر ہی کو قریبُ الوقوع کرتے ہیں

سبُو روشن ہے، خُم روشن ہے اور پیمانہ روشن ہے
دل و دست و زبانِ ساقیِ مَےخانہ روشن ہے

اُسی کے ولولے سے ہے جُنوں کی گرم بازاری
اُسی کے پرتوے سے عقل کا کاشانہ روشن ہے

یدِ بیضاے رحمت نے مُنوّر کر دیا اس کو
مثالِ شمع ، زنجیرِ درِ جانانہ روشن ہے

ہم اُس محفل میں اپنی تیرہ بختی لے کے جائیں گے
جہاں ہر ذرّہ مانندِ پرِ پروانہ روشن ہے

ہمیں چمکا دیا اُس کی محبت کے اُجالے نے
جمالِ ہم نشینی سے دلِ دیوانہ روشن ہے

فروزاں ہے اُمیدِ سُرمۂ دہلیزِ جاناں پر
ہماری چشمِ تَر کس درجہ مشتاقانہ روشن ہے

کوئی نُورِ مجسّم آئنہ خانوں میں اُترا تھا
دلوں کی روشنی اُس دن سے بے تابانہ روشن ہے

اِذن ہو اِس مقام سے آگے
یعنی بابِ سلام سے آگے

سبز گنبد دِکھائی دیتا ہے
دُور حدِّ دوام سے آگے

کون سی منزلِ نماز تھی وہ
مَیں کھڑا تھا امام سے آگے

اور اک نُور تھا مصلّے پر
اپنے ادنیٰ غلام سے آگے

صُفّہء باصفا بُلاتا ہے
دل کو بیتُ الحرام سے آگے

جالیوں میں سے دن نکلتا ہے
صبح سے پہلے ، شام سے آگے

عشق خود راستہ دِکھاتا ہے
کوچۂ ننگ و نام سے آگے

نہ زمیں ہے ، نہ آسماں ہے مُعیّن
درِ خیرُ الانام سے آگے

٭

مَیں نے کہا تھا: آج نہ جائیں، گھوڑے بے حد تھکے ہوئے ہیں
اُس نے کہا تھا: جانا طے ہے، دشمن پیچھے لگے ہوئے ہیں

مَیں نے کہا تھا: دائیں طرف کی گھاٹی میں ہم چھُپ جاتے ہیں
اُس نے کہا تھا: ناممکن ہے، تیروں میں ہم گھرے ہوئے ہیں

مَیں نے کہا تھا: غار میں کاٹیں ہجرت رُت کی پہلی راتیں
اُس نے کہا تھا: اس کے بِلوں میں سانپ اور بچّھو چھُپے ہوئے ہیں

مَیں نے کہا تھا: پیاس کے مارے کالی ریت پہ مَر جائیں گے
اُس نے کہا تھا: ٹھیک ہے لیکن، دو مَشکیزے بھَرے ہوئے ہیں

مَیں نے کہا تھا: اِس سے آگے چھُپنے کی کیا صُورت ہو گی؟
اُس نے کہا تھا: ڈرتے کیوں ہو؟ آگے قلعے بنے ہوئے ہیں

مَیں نے کہا تھا : دو ہی ہیں ہم شہرِ ستم سے جانے والے؟
اُس نے کہا تھا: بستی میں کچھ اور بھی ساتھی رُکے ہوئے ہیں

مَیں نے کہا تھا : سُنتے ہو تم پیچھے پیچھے آتی ٹاپیں
اُس نے کہا تھا: ہم بھی عجب ہیں، دوراہے پر رُکے ہوئے ہیں

مَیں نے کہا تھا : اب کیا ہوگا ؟ دشمن سر پر آ پہنچا ہے
اُس نے کہا تھا: غار کے مُنہ پر لاکھوں جالے تنے ہوئے ہیں

مَیں نے کہا تھا : یہ تو بتاؤ کس کی طرف مہمانی ہو گی؟
اُس نے کہا تھا: یثرب والے اک دُوجے سے بڑھے ہوئے ہیں

استخارہ

جامِ ہستی نما مِلا ہے ہمیں
دل ہی دل میں خُدا مِلا ہے ہمیں

برزخِ بے خودی کے باغوں میں
ہم سے بھی ماورا مِلا ہے ہمیں

عشق نے بھیڑ میں بھی پہچانا
سب سے کر کے جُدا مِلا ہے ہمیں

تا قیامت ہے جس کی سرداری
وہ شہِ دوسرا مِلا ہے ہمیں

باغِ جنّت عطا ہوا ہے تمھیں
صُفَّہ باصفا مِلا ہے ہمیں

اپنے اَجداد کی وراثت سے
اِک منقّش عصا مِلا ہے ہمیں

کیوں ہمارے سخن پہ حیراں ہو
یہ ہُنر کیا نیا مِلا ہے ہمیں

سخن میں جلوے جن انوار کے ہیں
وہ سب غزنی کے اس دلدار کے ہیں

جمالِ سیّدِ ہجُویر دیکھا
مقدّر دیدۂ بیدار کے ہیں

ہم اس نسبت سے بھی عاشق ہیں اُن کے
کہ وہ نورِ نظر سرکار کے ہیں

وہ اہلِ بیت کی نعمت کے والی
وہ وارث احمدِ مختار کے ہیں

جہاں اجمیر کے خواجہ جھکے تھے
گداگر ہم بھی اُس دربار کے ہیں

فقیرِ گنج بخش آقا ہے جن کا
وہ کب حلقہ بہ گوش اغیار کے ہیں

فقط لاہور ہی اُن کا نہیں ہے
یہ سب خطّے مرے سردار کے ہیں

استخارہ

ولایت کے ہیں جتنے راستے بھی
تصرّف میں اُسی سالار کے ہیں

نہیں ہیں طالبِ غم اہلِ ظاہر
یہ بندے درہم و دینار کے ہیں

جُنوں کی لذّتوں کو کیسے چکّھیں
یہ قیدی گنبدِ دستار کے ہیں

خموشی ہو کہ تحریر و بیاں ہو
قرینے جوہرِ اظہار کے ہیں

ہمارے شعر یہ کہہ کر سنانا
کہ یہ اک ادنیٰ خدمت گار کے ہیں

ہمارے جیسے اشکوں کے خزانے
بھری دنیا میں بس دو چار کے ہیں

مُعیّن اللہ کی رحمت ہے اُن پر
جو زیرِ سایہ اُس دیوار کے ہیں

میرے مرشد ہیں ہُو بہ ہُو خواجہ
جیسے بیٹھے ہوں رُو بہ رُو خواجہ

ہو گئی ختم آپ کے در پر
شیخِ کامل کی جستجو خواجہ

میرے ماں باپ اُن پہ قرباں ہو
چشتیوں کی ہیں آبرو خواجہ

میرے مےٓ خانۂ طریقت میں
مےٓ و جام و خُم و سبو خواجہ

میرا دَم بھی سماع میں نکلے
اب یہی ہے اک آرزو خواجہ

لاج رکھّیں گے نام کے صدقے
مجھ کو کر دیں گے سرخرو خواجہ

مجھ کو بھی تجھ سے خاص نسبت ہے
دل ہے اجمیر اور تُو خواجہ

استخارہ

جب کار زارِ دہر میں قحطُ الرّجال تھا
رُوئے زمیں پہ ویسا کوئی خال خال تھا

ہم تشنگانِ دشتِ غُلامی تھے اور وہ
ابرِ کرم تھا ، چشمۂ آبِ زُلال تھا

ہم خستگانِ رزمِ رہائی تھے زخم زخم
وہ حرف حرف چارہ گرِ اندمال تھا

ہم بے نشاں تھے، اُس نے تشخُّص دیا ہمیں
یہ اُس کا عزم تھا ، یہ اُسی کا کمال تھا

شاخِ وطن پہ اُس نے بنا کر دِکھا دیا
وہ آشیاں کہ جس کا بنانا محال تھا

خار و خسِ سیاستِ گُل چیں میں روز و شب
اُس باغباں کو اپنے چمن کا خیال تھا

اُس کا ظُہور معجزۂ عصر تھا مُعین
اُس کا وُجود مرحمتِ ذوالجلال تھا

(قایدِ اعظمؒ کے لیے)

سوچوں کو درود چاہیے ہے
آنکھوں کو سجود چاہیے ہے

وہ ایک خیال ہے اور اُس کو
صدیوں سے وجود چاہیے ہے

یہ گرمیِ شعر و درس و تحقیق
بس نام و نمود چاہیے ہے

ہم اہلِ زیاں کا زُہد و تقویٰ
معبود سے سُود چاہیے ہے

کثرت کو ہے آرزوے وحدت
وحدت کو شہود چاہیے ہے

استخارہ

بے مہریِ دوستاں الگ ہے
اور اس پہ غمِ جہاں الگ ہے

اعصاب الگ تھکے ہوئے ہیں
اور دل ہے کہ سرگراں الگ ہے

اُس رنج کو بیچ میں نہ لاؤ
اُس رنج کی داستاں الگ ہے

موقوف ہے جو تری نظر پر
وہ لذّتِ جاوداں الگ ہے

سرسبز ہے جو ترے کرم سے
وہ شاخِ ملالِ جاں الگ ہے

اے مجمعِ علم و فضل و دانش
تم سب سے مرا بیاں الگ ہے

لگتا ہے مَیں اجنبی ہوں تم میں
لگتا ہے مری زباں الگ ہے

یہ کرشمہ جو تِری چشمِ فسوں ساز کا ہے
اِتنا کم گو ہے کہ بالکل ترے انداز کا ہے

تیری آنکھیں ہیں کہ سہمے ہوئے کالے تیتر
یا کہ مَطلع غزلِ حافظِ شیراز کا ہے

میری رَگ رَگ میں چھناکے جو بپا رہتے ہیں
اِس کا باعث وہی جادُو تِری آواز کا ہے

دل جو سجّادہ نشیں حلقۂ عُشّاق میں ہے
یہ خلیفہ بھی ترے حُسن کے اعجاز کا ہے

دولتِ قُرب سر آنکھوں پہ مگر یہ سائل
مستحق اِس سے بھی بڑھ کر کسی اعزاز کا ہے

ہجر پہ جتنے شعر تھے سبعہ مُعلّقات میں
آ گئے یاد ایک دَم مجھ کو سفر کی رات میں

دل نے شکستگی چُنی شیشہ گروں کے شہر سے
خاک بہ سر ہوئی ہے عقل دشتِ تعلّقات میں

حیرتِ محض کے سوا صَرفِ نظر پسند ہے
نرگسِ قحطِ خواب کو گلشنِ ممکنات میں

فکر کے سارے زاویے، خواب کے سارے زائچے
ہیکلِ ہول بن گئے شامِ تخیّلات میں

میری طرح مُعینؔ کل جکڑے رہے تھے رات بھر
ابر و مَہ و ستارہ بھی قیدِ تکلّفات میں

خاکِ کفِ پاے اولیا ہوں
مَیں سُرمۂ چشمِ اغنیا ہوں

ہے فقر کا تاج دل کے سر پر
اورنگ نشینِ بوریا ہوں

پس خوردہ مرا ملے تو پی لو
مَیں دُردِ سبُوے صُوفیا ہوں

ممکن ہو تو مجھ سے فیض پاؤ
اِس وقت مَیں سایۂ ہُما ہوں

اِس گُنبدِ مَرمَریں کے آگے
مَیں اپنے ہی شہر میں گدا ہوں

سر و سامانِ بے خویشی بہت ہے
ہمارے دل کو درویشی بہت ہے

قناعت کو جہانِ رنگ و بُو میں
متاعِ گوشہ اندیشی بہت ہے

رہیں کیا خاک دنیا میں کہ اِس میں
رواجِ مصلحت کیشی بہت ہے

کم و بیشِ غمِ دل ہے مُعَمّا
کمی تھوڑی سی ہے، بیشی بہت ہے

عزیزوں کی نمک پاشی کی خاطر
ہماری خُوئے دل ریشی بہت ہے

توہمات کے پیچاک سے نکل جاتے
ہم اپنی وادیِ ادراک سے نکل جاتے

جو دل کا ظرف نہ ہوتا تو ہم سے دیوانے
طلسمِ تنگیِ افلاک سے نکل جاتے

خمیرِ گوہر و گُل سے اگر تعلّق تھا
تو زمرۂ خس و خاشاک سے نکل جاتے

نکالے جانے سے پہلے ہی ، اپنی مرضی سے
بدن کے خرقۂ ناپاک سے نکل جاتے

کشش جو اصل کی ہے چھوڑتی نہیں ہے معیّن
بشر نہ ہوتے تو ہم خاک سے نکل جاتے

❀

جس کا نعم البدل نہیں ملتا
ہم سے وہ آج کل نہیں ملتا

اپنی غزلیں تو بھیج دیتا ہے
خود وہ جانِ غزل نہیں ملتا

اُس کی باتوں میں، میری باتوں کا
کوئی ردِّعمل نہیں ملتا

دیر اگر ایک پَل کی ہو جائے
عُمر بھر پھر وہ پَل نہیں ملتا

کچھ ہماری طرح بھی ہوتے ہیں
سب کو نیّت کا پھل نہیں ملتا

❀

کانٹوں میں گھِرا ہوا کھڑا تھا
اُس پھُول میں حوصلہ بڑا تھا

اَخبار میں چھَپ کے اُس کا چہرہ
آلودہ زمین پر پڑا تھا

مَیں مان چکا تھا اُس کی باتیں
وہ ضد پہ اُسی طرح اَڑا تھا

مَیں آدھا تو ہو چکا تھا پتّھر
اور آدھا زمین میں گڑا تھا

خالی ہی بھَلی تھی یہ انگوٹھی
نیلم کا نگینہ کیوں جَڑا تھا

❀

دل بھی بازارِ ہُنر میں رکھّا
یہ نگینہ بھی نہ گھر میں رکھّا

جانے کیا سوچ کے ہم نے خود کو
عُمر بھر رنجِ سفر میں رکھّا

ہونٹ دہلیز کو تفویض کیے
آنکھ کو حلقۂ در میں رکھّا

صُبح نے آنکھ میں نیندیں گھولیں
شام نے راہ گزر میں رکھّا

زخم کو رُوح سے پیوند کیا
رابطہ شاخ و شجر میں رکھّا

تلخیاں میری جڑوں کو بخشیں
ذائقہ میرے ثمر میں رکھا

اُس کا احسان ہے ، اُس نے ہم کو
بے نیازی کی نظر میں رکھا

فرش کو عرش بنایا اُس نے
سیپ کو اُس نے گُہر میں رکھا

جانے کیوں عجزِ بشر کو اُس نے
کارِ تکمیلِ بشر میں رکھا

اُس کو معلوم ہے اب کچھ بھی نہیں
اِس دلِ خاک بسر میں رکھا

رات بھر بُجھتے دیوں کو اُس نے
وعدۂ وصلِ سحر میں رکھا

کُچھ کربِ زوال رہ گیا ہے
کُچھ خوفِ مآل رہ گیا ہے

آنکھوں میں جمی ہوئی ہے حیرت
ہونٹوں پہ سوال رہ گیا ہے

کُچھ ذوقِ فراق بچ گیا تھا
کُچھ شوقِ وصال رہ گیا ہے

پیری میں ، شباب کا وہ پہلا
رُوٹھا ہوا سال رہ گیا ہے

رگ رگ میں وصال کا وہ لمحہ
کانٹے کی مثال رہ گیا ہے

تھوڑی سی خوشی ہے میرے گھر میں
تھوڑا سا ملال رہ گیا ہے

دُنیا میں رجال اب کہاں ہیں
بس قحطِ رجال رہ گیا ہے

❁

مَیں موجِ آب نہیں تھا، مگر کہیں نہ رُکا
جہاں پہ رُکنا ضروری تھا، مَیں وہیں نہ رُکا

تری نگاہ سے دُوری بھی کارگر نہ ہوئی
کسی طلسم سے وہ سحرِ سُرمگیں نہ رُکا

لبوں پہ قُفلِ انا تھا، سو بات کُچھ نہ بنی
دل و نگاہ کے روکے سے وہ حسیں نہ رُکا

اِسے نہ روک سکی پا شکستگی میری
جو پاؤں رُک بھی گئے تو دلِ حزیں نہ رُکا

سفر سرشت ہے اشکوں کا قافلہ بھی مُعینؔ
چلا جو دل سے تو پھر تا بہ آستیں نہ رُکا

تمھاری یاد کے ٹھہراؤ میں سمٹ آئے
تمام زخم اِسی گھاؤ میں سمٹ آئے

اٹل تھے میرے مسائل ہمالیہ کی طرح
نجانے کس طرح سلجھاؤ میں سمٹ آئے

کسی کے دوش پہ ہم نے نہ سرگرانی کی
ہم اپنی ذات کے پھیلاؤ میں سمٹ آئے

غرورِ سیلِ فنا ، اِس قدر تو مُہلت دے
کہ میرا گاؤں مری ناؤ میں سمٹ آئے

مُعیّن جتنے بگولے بھی تھے خیالوں کے
بھنور بھنور مرے الجھاؤ میں سمٹ آئے

جنسِ نایابِ توجّہ کی طلب ٹھیک نہیں
ایسے لگتا ہے کہ کچھ دن سے یہ سب ٹھیک نہیں

جانے کیا بات ہوئی کل کہ یہ دل نے سوچا
اُس میں اور مجھ میں کوئی حدِّ ادب ٹھیک نہیں

اب کے اندوہِ دلِ زار نیا ہے ، ورنہ
پہلے کب ٹھیک تھے حالات جو اب ٹھیک نہیں

ایسی چُپ چاپ سی آنکھیں تو ڈرا دیتی ہیں
یہ ستارے ہوں اگر مُہر بہ لب، ٹھیک نہیں

چاند کے کان میں بادل نے یہ سرگوشی کی
یوں اکیلے میں سفر آخرِ شب ٹھیک نہیں

ہجر کا فیصلہ کرتے ہوئے لوگوں نے مُعیّن
یہ تو سوچا ہی نہ تھا ، اِس کا سبب ٹھیک نہیں

ماورا کے مَعبدوں میں موت کے معبود خواب
ٹھٹھری نیندوں کے کلیسا میں مرے مسجود خواب

میرے فن پارے یہی ہیں، یادگاریں بھی یہی
ذہن کے موہوم گوشوں کے یہ گرد آلود خواب

زندگی ہے مختصر اور آرزوئیں بے شمار
اِس قدر محدود وقت اور اِتنے لامحدود خواب

ہم سے تعبیروں کی خواہش اے سرابِ کائنات
ہم کہ ہیں بس اِک مسلسل خواب، اک موجود خواب

برف شُعلے، برف جذبے، برف کلیاں، برف لب
برف راتیں، برف بستر اور برف آلود خواب

اُس شہرِ سنگ و خِشت کا رَستہ کوئی نہ تھا
دیوارِ بے حسی میں دریچہ کوئی نہ تھا

کرنوں کی آہٹوں سے مری آنکھ کُھل گئی
سورج نکل رہا تھا، اُجالا کوئی نہ تھا

مَیں وحشیوں کے عہد میں لَوٹا تو رو دیا
اُن جنگلوں میں میرا شناسا کوئی نہ تھا

اُن بَستیوں کو دیکھ کے عبرت ہوئی مجھے
سب جاں بہ لب تھے اور مسیحا کوئی نہ تھا

یہ سب ہُوا تھا وضع نبھانے کے شوق میں
کردار کا تو اِس میں کرشمہ کوئی نہ تھا

کیا جانیے کدھر گئے تعمیر کر کے لوگ
اِتنی بڑی حویلی میں رہتا کوئی نہ تھا

اُس رات سب زمیں پہ اُتر آئے تھے مُعینؔ
اُس رات آسماں پہ ستارہ کوئی نہ تھا

❀

شعر گوئی کو بُت گری جانا
اِس ہُنر کو بھی آذری جانا

دل نے ہر شے کو سرسری دیکھا
دل نے ہر شے کو سرسری جانا

ہم نے احساسِ کم تَری کو بھی
اپنا احساسِ برتری جانا

کیا کہیں ہم کہ اہلِ دُنیا نے
عاجزی کو بھی خودسری جانا

اُس کے اندازِ بے مروّت کو
شیوۂ رسمِ دل بَری جانا

۞

میرے چاروں طرف ہے تَھل سائیں
میرا دل بھی گیا ہے جَل سائیں

شاخِ انگور ہے بَدَن تیرا
اور آنکھیں ہیں اُس کا پھل سائیں

تیری آنکھیں ہیں اِس طرح جیسے
ہو کوئی شعرِ برمَحل سائیں

جیسے تاروں بھری ہو جھیل کوئی
اور اُس میں ہوں دو کنْول سائیں

جیسے خیّؔام کی رباعی ہو
جیسے حافظؔ کی ہو غزل سائیں

عکس بن کر جو آئنوں میں رہا
ٹوٹ کر بھی وہ کرچیوں میں رہا

مسئلے میرے ، میرے ساتھ رہے
اور وہ اپنی اُلجھنوں میں رہا

ایک ہی شہر میں تھے دوست مگر
ہر کوئی اپنے دائروں میں رہا

بارہا ذہن تھک گیا لیکن
دل مرے سارے مشوروں میں رہا

حسبِ عادت مَیں کُھل گیا اُس سے
وہ تکلّف کے مَرحلوں میں رہا

بُرا لگے گا اگر بات اُس سے ہو نہ سکے
خُدا کرے کہ ملاقات اُس سے ہو نہ سکے

کبھی کُھلے نہ مِرا دفترِ گِلہ اُس پر
کبھی تلافیِ مافات اُس سے ہو نہ سکے

وہ گِن نہ پائے مرے ریگ زار کے ذرّے
حسابِ شیشۂ ساعات اُس سے ہو نہ سکے

یہ طے کِیا ہے کہ اِس طرح اُس سے ملتے ہیں
کہ دوستی کی شروعات اُس سے ہو نہ سکے

کچھ ایسی بُھول بُھلَیّوں میں اُس کو ڈالتے ہیں
کہ فتحِ بابِ طلسمات اُس سے ہو نہ سکے

جسمِ جمیلِ یار کو جانِ جمال کر دیا
اُس بُتِ بے مثال کو دل نے مثال کر دیا

ہم سے تمھارے عشق میں اور تو کچھ نہ ہو سکا
ہم نے تمھارے حُسن کو حُسنِ خیال کر دیا

بزمِ نشاطِ یار میں عام سی ایک بات پر
دل نے خمارِ عیش کو گردِ ملال کر دیا

دل شُدگانِ خُوے دوست، چھوڑ چلے ہیں کُوے دوست
فکرِ تلاشِ رزق نے جینا محال کر دیا

رات کی بات بُھول کر اُس نے مُعینؔ آ کے آج
ہجر کی پہلی صُبح کو صُبحِ وصال کر دیا

مکیں بَدلتے رہے ہیں، مکاں نہیں بَدلا
زمیں پہ قاعدۂ آسماں نہیں بَدلا

ہمارا تجربہ کہتا ہے اُس کے بارے میں
کہ اُس نے رنگ کبھی رایگاں نہیں بَدلا

ہمارے خُون میں شامل نہیں دَغا بازی
سفر میں ہم نے کبھی کارواں نہیں بَدلا

ہزیمتِ صَفِ اَعدا ہے شاہدِ عادل
کہ ہم نے قبلۂ تیر و سناں نہیں بَدلا

ہماری خلعتِ تُہمت ہوئی کفن اپنا
کہ دل نے پیرہنِ دوستاں نہیں بَدلا

بدل گئی ہے اگرچہ بدن کی ہر عادت
مگر مُعیّن وہ معمولِ جاں نہیں بَدلا

اکیلا دل ہے اور لاگو ہیں اس کو روگ سارے
ادھر ناخوش ہوئے جاتے ہیں گھر کے لوگ سارے

کہاں تک لے کے جائیں ہم بھلا بارِ مراسم
بھلا کب تک گھسیٹیں ساتھ یہ سنجوگ سارے

اُسی گُنبد سے اہلِ درد کو ملتی ہے روزی
کبوتر جا کے چُگتے ہیں وہیں سے چوگ سارے

ہماری جوگیوں کی نسل سے نسبت ہے قلبی
ملنگوں کو نئے لگتے نہیں یہ جوگ سارے

کہیں ایسا نہ ہو جس روز ہم دُنیا سے اُٹھیں
اکیلے بھوگنے پڑ جائیں تم کو سوگ سارے

احساس تک نہیں ہوا آرامِ خاک میں
آدھی صدی گزر گئی ابہامِ خاک میں

مَیں چاندنی بنوں گا جو عُمرِ دگر ملے
اِک بار آ کے دیکھ لیا دامِ خاک میں

مٹّی کے مسئلوں کی خبر کچھ مجھے بھی ہے
رہتا رہا ہوں مَیں بھی در و بامِ خاک میں

مٹّی کا راستہ ہے طویل اور مختصر
آغازِ خاک ہی تو ہے انجامِ خاک میں

مٹّی سے ماورا بھی کوئی شے بدَن میں ہے
اِک سطرِ نُور بھی تو ہے پیغامِ خاک میں

جب یقیں سے ہوا گماں روشن
ہو گیا ذہن ناگہاں روشن

سُرمۂ گردِ راہِ عرفاں سے
ہو گئی چشمِ عاشقاں روشن

تابشِ عشق سے منوّر دل
جلوۂ نُور سے جہاں روشن

دل نے دیکھے ہیں اک مکاشفے میں
عرش و کُرسی و لامکاں روشن

جگمگاتے ہوئے پرندوں سے
ہو گیا نیلا آسماں روشن

ذکر میں اُس کے ایسی قوّت ہے
ہو گئے ہیں لب و زباں روشن

شعر اُس بارگاہ میں پہنچے
ہو گئی مشعلِ بیاں روشن

خُدا کا شکر ہے ہر شب دماغ جلتا ہے
مرے مزار پہ میرا چراغ جلتا ہے

کچھ اِس طرح کی تمازت ہے اُس کے چہرے میں
اگر وہ باغ میں جائے تو باغ جلتا ہے

پکارتا ہے مجھے خون باپ دادا کا
لگا ہوا ہے جو خرقے پہ داغ ، جلتا ہے

وہ کوئی شعلہ ہے مٹی کے پیرہن میں نہاں
کہ اُس کے ہاتھ سے لگ کر ایاغ جلتا ہے

اُسی کے دَم سے یہ آنکھوں کی روشنی ہے مُعینؔ
اُسی کے غم سے یہ دل کا چراغ جلتا ہے

❁

جُز تیرگی، دلوں کی سیاہی میں کچھ نہیں
اب دیر اِس نگر کی تباہی میں کچھ نہیں

دینارِ قرض و درہمِ خیرات کے سوا
اب کے برس خزانۂ شاہی میں کچھ نہیں

ہے مُہرِ خاص بھی کسی خواجہ سرا کے پاس
اب اختیارِ ظلِّ الٰہی میں کچھ نہیں

جو لوگ کم نَسَب ہیں حذر اُن سے کیجیو
ان سفلگاں کی پُشت پناہی میں کچھ نہیں

مَیں اتنا جانتا ہوں کہ اب تک ترے سوا
دل کے خلاے لامتناہی میں کچھ نہیں

آبِ رواں کا عکس مثالِ سراب ہے
دریا کو دیکھ کر بھی خیالِ سراب ہے

حاصل بھی ہو تو لذّتِ بے حاصلی رہے
وہ حُسنِ لازوال جمالِ سراب ہے

اِس ریگ زارِ قُرب میں ، دشتِ طلسم میں
تقدیرِ جسم و جاں میں وصالِ سراب ہے

دل مانتا نہیں کہ فریبِ نظر کہیں
دل کی یہ کیفیت بھی کمالِ سراب ہے

وہ زلف بھی دوام ہے اوہامِ شام کا
وہ فتنہ قامتی بھی نہالِ سراب ہے

عجیب شہر سے نکلے ہیں آج ہم سرِ شام
پکڑ رہی ہے ہر اک رہ گزر قدم سرِ شام

شفق کے رُوپ میں چھڑکا ہے زخمِ دل پہ نمک
کِیا ہے دستِ حنائی نے یہ کرم سرِ شام

نجانے بھیجے ہیں کس نے یہ رنگ رنگ کے پھُول
نجانے کس نے کیا ہم پہ یہ ستم سرِ شام

یہ رنگِ طبعِ حزیں جانِ من نیا تو نہیں
یہ رنج روز ہی ہوتا ہے بیش و کم سرِشام

خُدا کا شکر کہ روکا تو رُک گیا وہ مُعیّن
خُدا کا شکر کہ ٹُوٹا نہیں بھرم سرِ شام

زمینیں جل رہی ہیں اور شجر سیراب ہیں سارے
مناظر اِس نگر کے کس قدر شاداب ہیں سارے

دھوئیں میں سانس لیتی ٹہنیوں پر چہچہاتے ہیں
پرندے مختلف رنگوں کے جو نایاب ہیں سارے

کہیں سورج بھی قیدی ہے کسی تاریک زنداں میں
کہیں ذرّے بھی تاباں صورتِ مہتاب ہیں سارے

یہاں آسیب کی تحویل میں ہے نیند کی دیوی
یہاں کے لوگ خوابوں کے لیے بے تاب ہیں سارے

دلوں میں ایک دُکھ سا ہے گھروں میں کچھ نہ ہونے کا
مہیّا ساری بستی کو مگر اسباب ہیں سارے

❀

محرمِ خیمہ و خرگاہ نہ رکھّا اُس نے
صورتِ حال سے آگاہ نہ رکھّا اُس نے

تختِ شاہی پہ وہ بیٹھا تو سلامت کوئی سر
مبتلاے ہوسِ جاہ نہ رکھّا اُس نے

چارۂ کار کوئی اور تو باقی ہی نہ تھا
خانۂ مات میں کیوں شاہ نہ رکھّا اس نے

اہلِ حاجت کے گزارے ہوئے نذرانے کو
رکھ لیا اُس نے گہے ، گاہ نہ رکھّا اُس نے

کس ولایت کو گیا ایسی سَبُک باری سے
توشۂ جسم بھی ہمراہ نہ رکھّا اُس نے

قیدِ نام و نمود سے نکلے
فکرِ بود و نبود سے نکلے

ذہن پا بستۂ گماں نہ رہے
دل حدود و قیود سے نکلے

وقت کی باگ ڈور تھام کے ہم
گردشِ دیر و زود سے نکلے

کاروبارِ زیاں چلاتے ہیں
جب سے بازارِ سُود سے نکلے

مل گیا ہے لباسِ بے رنگی
خرقہ ہاے کبود سے نکلے

استخارہ

تار و پودِ شہود بُنتے ہیں
ہم قبائے وجود سے نکلے

ساحلِ ہجر اختیار کیا
وصل کے زندہ رُود سے نکلے

شاخسارِ صلوٰۃِ حاجت پر
کیا شگوفے سجود سے نکلے

دل سے نکلے درود آخرِ شب
اور خوشبو درود سے نکلے

❀

دشت کی بے کرانیوں میں رہیں
ریت کی قصّہ خوانیوں میں رہیں

برف زاروں کی چاندنی دیکھیں
اپنے رب کی نشانیوں میں رہیں

جھیل سیف الملوک کہتی ہے
آئیں اور میرے پانیوں میں رہیں

تھک گئے ہیں حقیقتوں سے بہت
جا کے کچھ دن کہانیوں میں رہیں

راج کے کام کاج چھوڑ کے ہم
رات کی رات رانیوں میں رہیں

کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ بھی نہ ہو
اور ہم خوش گمانیوں میں رہیں

❀

کماں بہ دست ہیں، ترکش کُشادہ رکھتے ہیں
نشانہ باندھ چکے ہیں، ارادہ رکھتے ہیں

ہماری نسل میں سَجتے ہیں زخم سینے پر
ہم اس کا حوصلہ تم سے زیادہ رکھتے ہیں

منافقت کا سلیقہ ہمیں نہیں آتا
سو جس سے جو بھی تعلّق ہو، سادہ رکھتے ہیں

خدا کے فضل سے اُن میں سے ہم نہیں ہیں کہ جو
بَدن پہ مصلحتوں کا لبادہ رکھتے ہیں

تم ایسے لوگ تو اپنے مفاد کی خاطر
سبھی سے رسم و رہِ استفادہ رکھتے ہیں

بساطِ ربط پہ وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم
تمھارے شاہ کے آگے پیادہ رکھتے ہیں

شکست و فتح تو آگے خدا کے ہاتھ میں ہے
سو تیغ اُٹھاتے ہیں اور جامِ بادہ رکھتے ہیں

کچھ اِس طرح کے ابھی سرکشیدہ لوگ بھی ہیں
جو اہلِ حرص کو گردن نہادہ رکھتے ہیں

چراغِ کذب سے منزل کو ڈھونڈنے والو
ہم آفتابِ صداقت کا جادہ رکھتے ہیں

❀

یہ ہم جو محفلِ یاراں کی زیب و زینت ہیں
لَحد کے حُجرہَ تاریک کی امانت ہیں

بس ایک سُنتِ آبا ہے حلقہ داری بھی
وگرنہ ہم تو ازل سے قتیلِ خلوت ہیں

ہماری بزم میں آنے سے محترز ہی رہیں
جو نَورسیدہَ منصب ہیں ، ننگِ ثروت ہیں

ازل سے بند ہے یہ خانقاہ اُن کے لیے
جو اہلِ حرص ہیں ، مغرورِ جاہ و حشمت ہیں

شکستہ خاطر و بدحال و بے سر و ساماں
یہی تو ہیں جو حقیقت میں میری دولت ہیں

کہیں کا رکھا نہ ہو گردشِ فلک نے جنھیں
ہمارے ہاں وہی بے کس ہی اہلِ عزّت ہیں

جنھیں وطن میں بھی پہچانتا نہیں کوئی
وہ اہلِ فقر ہی سرمایۂ سعادت ہیں

دُعا کرو کہ کبھی اشتعالِ نَفس نہ ہو
وگرنہ ہم جو بپا ہوں تو پھر قیامت ہیں

اِس فالِ خوش ادا میں کشودِ ستارہ ہے
پس منظرِ شجر میں نمودِ ستارہ ہے

پہلے یہ طے کرو کہ اُفق ہے بھی یا نہیں
بے کار بحثِ بود و نبودِ ستارہ ہے

پھر دل میں اُس کے خال کی خوشبو سلگ اٹھی
پھر مجمرِ خیال میں عودِ ستارہ ہے

کیا دن میں ان کے ہونے سے انکار ہے تمھیں
کیا صرف رات ہی کو وجودِ ستارہ ہے

پھر انتہائے شب میں چلی کیف کی ہوا
چاروں طرف صدائے درودِ ستارہ ہے

اُس ماہ رخ نے خواب بھی دیکھا عجیب سا
وہ ہے اور اُس کی سمت سجودِ ستارہ ہے

اب ہم ہیں اور خالِ لبِ یار ہے مُعیّن
اب دل ہے اور گفت و شنودِ ستارہ ہے

آنکھوں پہ اُس کی آنکھ کا رستہ نہیں کُھلا
اُس دل کی سمت دل کا دریچہ نہیں کُھلا

باتوں سے وہ خیال مُجسّم نہ ہو سکا
سوچوں سے اُس کی ذات کا عقدہ نہیں کُھلا

تفسیر سے نہ سمجھی گئی آیتِ مُراد
تعبیر سے کرشمۂ رویا نہیں کُھلا

وہ جنسِ رنگ و بُو سے ہے یا جنسِ نُور سے
مجھ خاک زاد پر یہ مُعمّا نہیں کُھلا

اک حرف نارسا ہے وہ ابجد کی سطر میں
''تکسیر'' میں بھی اُس کا سراپا نہیں کُھلا

سارے عدد طلسمِ تہجّی کے اُس میں ہیں
اور مجھ پہ تو "الف" کا بھی نکتہ نہیں کُھلا

رہتی ہیں جس کی نظریں ستاروں کی چال پر
اب تک کسی پہ خود وہ ستارہ نہیں کُھلا

وہ رازدارِ خاصیتِ سنگ بھی تو ہے
اہلِ نظر پہ کیوں یہ اشارہ نہیں کُھلا

نازل ہوا ہے مجھ پہ کسی کشف کی طرح
لیکن یہ کشف بھی ابھی پورا نہیں کُھلا

وہ حسن عام سا ہے، کوئی معجزہ نہیں
سادہ سا ہو کے بھی کبھی سارا نہیں کُھلا

کوئی تو چُھو کے دیکھے کسی دن اُسے مُعیّن
وہ خواب ہے کہ خواب کا سایہ نہیں کُھلا

❀

خشک پلکوں پہ طراوت جاگی
بند ہونٹوں پہ تلاوت جاگی

گُم شدہ ساعتیں موجود ہوئیں
گزرے وقتوں کی ندامت جاگی

دن ڈھلے درد کے سائے پھیلے
دل کے آنگن میں اذیّت جاگی

حُرمتِ صبر کی ساعت گزری
چُپ کی بستی میں شکایت جاگی

پھر لکیروں میں کرشمہ پھُوٹا
پھر ہتھیلی میں محبّت جاگی

دل نے اِحرامِ سفر باندھ لیا
اُس سے ملنے کی ضرورت جاگی

خواب کے نقش کا جادو اُترا
ذہن کی تہ میں حقیقت جاگی

❁

سپہ کے شہ سواروں نے بھی دیکھا
محل کے چوب داروں نے بھی دیکھا

فصیلِ شہر کو تاراج ہوتے
پُرانے جاں نثاروں نے بھی دیکھا

سرِ شاہی کو زرّیں طشتری میں
حرم کے گُل عذاروں نے بھی دیکھا

برہنہ سر کئی شہ زادیوں کو
چمن کے شاخساروں نے بھی دیکھا

اُجڑتی بستیوں کے آنسوؤں کو
لہو کی آبشاروں نے بھی دیکھا

مِری پگڑی کو کل نیلام ہوتے
مرے بچپن کے یاروں نے بھی دیکھا

خوں نابِ زہرِ جاں ہو کہ تلخابِ بادہ ہو
کچھ ہو کہ جس کے بعد اذیّت زیادہ ہو

نوکِ مژہ پہ ڈھلتے ہوئے اشک نے کہا
دستِ دُعا پہ بابِ ندامت کشادہ ہو

پشمینہ پوش ہو گئی تن کی برہنگی
اب رُوحِ بے لباس کا کوئی لبادہ ہو

مُہرے سبھی پٹیں گے بساطِ حیات پر
فرزیں ہو، فیل و شاہ ہو، اَسپ و پیادہ ہو

ہم کو تو چلتے رہنا ہے، رستہ ہو کوئی بھی
قدموں کے زائچے میں ہو کوئی بھی جادہ ہو

وہ باب ہوں مُعیّن کہ ہے خارج از نصاب
مَیں وہ سبق کہاں ہوں کہ جس کا اعادہ ہو

ترشا ہوا بدن ہے سراپا سمن سفید
مرمر کا خواب ہے وہ بتِ سیم تن سفید

شعلہ ہو جیسے شیشۂ مہ تاب میں کوئی
جچتا ہے کس قدر اُسے یہ پیرہن سفید

پائی ہے دوجہاں نے تری اوڑھنی کی بھیک
اِس نور سے ہوئے ہیں زمین و زمن سفید

رنگ ایک ایک کرکے ہَوا ہو گئے سبھی
اُس کے حضور ہو گیا سارا چمن سفید

ملبوس ہے پسند ہمیں ایک سا مُعیّن
سادہ ، کُھلا کُھلا سا ، شکن در شکن ، سفید

کہاں تلک کوئی کرتا رہے نظارۂ لب
چٹخ کے ٹُوٹ کسی روز سنگ پارۂ لب

حضورِ یار دلِ زار لے کے بیٹھا ہے
وہی سکوت کا سودا ، وہی خسارۂ لب

ترے لبوں سے ورائے سخن بھی مطلب ہے
کہ گفتگو تو ہے خاکسترِ شرارۂ لب

ہم اِس کو تل نہیں کہتے کہ خال خال ہے یہ
ہے تیرے گوشۂ لب پر جو اک ستارۂ لب

ہمیں بہت ہے ، اگر عمر بھر میسّر ہو
یہ تیرا گوشۂ چشم اور ترا کنارۂ لب

✿

یہ حدیں نہ توڑ دینا، مرے دائرے میں رہنا
مجھے اپنے دل میں رکھنا، مرے حافظے میں رہنا

مرا بوجھ خود اٹھانا ، مرا کرب آپ سہنا
مرے زخم بانٹ لینا، مرے رَت جگے میں رہنا

مرے منظروں میں بسنا ، مری گفتگو میں ہونا
مرے لمس میں سمانا ، مرے ذائقے میں رہنا

مرا حکم خود سنانا ، مری مُہر خود لگانا
مرے مشورے میں ہونا ، مرے فیصلے میں رہنا

کبھی دھوپ کے نگر میں مرا ساتھ چھوڑ جانا
کبھی میرا عکس بن کر مرے آئنے میں رہنا

کبھی منزلوں کی صورت مری دسترس سے باہر
کبھی سنگِ میل بن کر مرے راستے میں رہنا

مرے ہاتھ کی لکیریں ترا نام بن کے چمکیں
مری خواہشوں کی خوش بو، مرے زائچے میں رہنا

مرا خون چہرے پہ مَل کے وہ، مری خیمہ گاہ میں آ گیا
چلو کچھ سہی، مرے بعد ہی وہ مری پناہ میں آ گیا

نہ اُصول کی کوئی جنگ تھی، نہ شکست باعثِ ننگ تھی
جو مری سپاہ کی موت تھا، وہ مری سپاہ میں آ گیا

نہ کسی امیر کی مشورت، نہ کسی وزیر کی مصلحت
ہے وہی شریعتِ سلطنت جو مزاجِ شاہ میں آ گیا

جو نشانِ اوجِ کمال ہے، جو شروعِ عہدِ زوال ہے
وہ فراعنہ کا سا بانک پن مرے کج کلاہ میں آ گیا

یہ جو اُس کا منصبِ خاص ہے، کسی اور ہی کو یہ راس ہے
یہی سوچ سوچ کے خوش ہے وہ کہ مَیں دامِ جاہ میں آ گیا

محمل بھی کوئی دشتِ اساطیر میں نہیں
اور قیس بھی تسلسلِ زنجیر میں نہیں

وہ ایسا وہم ہے کہ حقیقت سے بڑھ کے ہے
اُس جیسا خواب دامنِ تعبیر میں نہیں

ہم ساکنانِ کُنجِ قناعت ہیں مطمئن
آمد شُد اپنی کوچۂ تشہیر میں نہیں

ویسے تو ہم بھی حُجّت و بُرہاں میں طاق ہیں
پر عُقدۂ قضیّۂ تقدیر میں نہیں

ارژنگ زادِ مانیِ تخریب ہیں مُعیّن
دخل اپنا اِس مرقّعِ تعمیر میں نہیں

صفاے خاطرِ اغیار ہوں عجب مَیں ہوں
کدورتِ دلِ دلدار ہوں عجب مَیں ہوں

نہیں غلام مرے حلقۂ اطاعت میں
سو اب مَیں اپنا ہی سردار ہوں عجب مَیں ہوں

مَیں دوستی کے یہ دھاگے تو کاٹ سکتا نہیں
یہ اور بات کہ تلوار ہوں عجب مَیں ہوں

وہ جانتا ہے کہ بیعت نہیں کروں گا مَیں
کہ مَیں ولایتِ انکار ہوں عجب مَیں ہوں

کئی طلسم نہفتہ ہیں تہ بہ تہ مجھ میں
کسی فقیر کی دستار ہوں عجب مَیں ہوں

بنا ہوا ہوں سراپا اگرچہ دستِ جنوں
مگر تصّرفِ بے کار ہوں عجب مَیں ہوں

❀

مَیں اہلِ دل کے کسی تذکرے میں رہتا ہوں
مریدِ ذوق ہوں اور سلسلے میں رہتا ہوں

مکاشفہ ہوں مَیں اہلِ سُلُوک و احساں کا
بشارتوں کی طرح رَت جگے میں رہتا ہوں

بِنائے دہر طَلَب کی تجاوزات پہ ہے
مَیں اپنی حد میں ہوں اور دائرے میں رہتا ہوں

حصارِ ہُو میں مصلّٰی بچھا ہوا ہے مرا
فشارِ وقت سے باہر مزے میں رہتا ہوں

طواف کرتی ہیں کرنیں مرا مدام کہ مَیں
نظامِ نُور کے اک مرکزے میں رہتا ہوں

فلک پہ رہتے ہیں سُوے زمیں نہیں جاتے
ہم اپنے حُجرے سے باہر کہیں نہیں جاتے

ہیں سیر چشم کچھ ایسے کہ بزمِ دنیا میں
کسی طرح ترے تکیہ نشیں نہیں جاتے

غلط خبر ہے کہ جاتے ہی ہم نہیں ہیں کہیں
منافقت ہو جہاں بس وہیں نہیں جاتے

نکل رہے تھے کہ دل نے یہ کہہ کے روک لیا
کہ اہلِ دل سرِ عرشِ بریں نہیں جاتے

اُلٹ دیا گیا تختہ مگر دماغوں سے
وہ چتر و تخت ، وہ تاج و نگیں نہیں جاتے

ثابت قدم نہیں ہے تو تلوار مت اٹھا
یوں سرسری سی زحمتِ پیکار مت اٹھا

سودا نہیں ہے سر میں تو پھر سر برہنہ رہ
مشقِ جنُوں نہیں ہے تو دستار مت اٹھا

یہ خلعتِ شہی نہیں ، ملبوسِ فقر ہے
دل ڈگمگا رہا ہے تو یہ بار مت اٹھا

زادِ سفر میں دل کے سوا اور کچھ نہ رکھ
دنیا کا ساز و رخت ہے بے کار مت اٹھا

کاسہ بہ چشم بیٹھ سرِ خوانِ خامشی
بے اذنِ یار ریزۂ گفتار مت اٹھا

خاکسترِ فراق سے تعمیرِ وصل کر
اب اور ناز اے دلِ بے زار مت اٹھا

اپنی طرف سفر پہ مری جاں مجھے نہ ٹوک
یہ راستہ نہ روک ، یہ دیوار مت اٹھا

بازیچۂ تخیل و قرطاس و خامہ ہے
کشکولِ قول و شعر بھی کیا کارنامہ ہے

یہ کہہ کے میرے شیخ نے تنبیہ کی مجھے
تیری بیاضِ شوق ترا نفس نامہ ہے

تبّت کا ایک رند یہ کہتا سُنا گیا
دل کا وطن وہ شہر ہے جو شہرِ لامہ ہے

زنجیر سے بندھے ہیں تو مسلک نہیں چھُٹا
یہ سلسلہ بھی زلفِ بُتاں کا ادامہ ہے

ہے امتیاز نسبتِ تخصیص سے مُعیّن
جامہ نہیں ہے خرقہ مرا اور جامہ ہے

چشمۂ خواب روانی کی طرف کُھلتا ہے
کیا دریچہ ہے، معانی کی طرف کُھلتا ہے

قصّہ گو لایا کھلونے کئی کرداروں کے
رات کا صحن کہانی کی طرف کُھلتا ہے

پیاس کے ایک کنارے پہ ہے سیرابی بھی
اِک سرا دشت کا پانی کی طرف کُھلتا ہے

ایک جادوئی سی دستک ہے جسے سُنتے ہی
دِل کا دروازہ جوانی کی طرف کُھلتا ہے

ساحلِ وقت پہ تیّار نظر آتے ہیں
بادباں نقلِ مکانی کی طرف کُھلتا ہے

ایسی گشاد ہو گئی بابِ فتوح میں
پھر گریہ کر رہا ہوں دُعاے صبوح میں

خسرو کو اس نیاز سے مَیں نے کیا ہے یاد
خواجہ نظام بیٹھ گئے آ کے رُوح میں

بیٹھے ہوئے سفینۂ ردِّ بلا میں ہیں
یہ حصن مِل گیا تھا مناجاتِ نُوح میں

معنی ہے اور لفظ و بیاں سے نہ ہے بے نیاز
دیکھا نہیں گیا وہ لباسِ وضوح میں

جو بات متنِ عشق میں ہے موج زن مُعیّن
وہ بات آ سکی نہیں اس کی شروح میں

اطرافِ چشمِ یار میں آثارِ گریہ ہیں
رخسار و لب تمام عزا دارِ گریہ ہیں

لب خند سے ہمارا علاقہ نہیں کوئی
ہم سرخوشِ ملال ہیں ، سرشارِ گریہ ہیں

اس بزمِ خندہ ہائے مکرّر میں ایک ہم
شایانِ رنج و غم ہیں ، سزاوارِ گریہ ہیں

صحرائے قہقہہ میں غنیمت سمجھ ہمیں
ہم شاخسارِ حُزن ہیں ، گلزارِ گریہ ہیں

ہم شہر میں نہ ہوں تو یہاں قحطِ اشک ہو
سرگشتگاں ہی گرمیِ بازارِ گریہ ہیں

دل کے کھنڈر میں تابشِ لعل و گہر کہاں
خاموش ہو رہو کہ یہ انوارِ گریہ ہیں

ایسا نہیں کہ مانگ ہی اِس جنس کی نہیں
کچھ لوگ آج کل بھی خریدارِ گریہ ہیں

ہم تک پہنچ گئے ہو تو رونا ہے ناگزیر
ہم خانقاہِ عشق میں دیوارِ گریہ ہیں

اہلِ سماع ہیں کہ نہیں ، جانتے نہیں
ہاں یہ ضرور ہے کہ طلبگارِ گریہ ہیں

مژگان و چشم و اشک سے ہٹ کر بھی گریہ ہے
تشریح کیا کریں کہ یہ اَسرارِ گریہ ہیں

مسند نشینِ نوحہ بنائے گئے مُعینؔ
جو دیکھتا ہے ، کہتا ہے سرکارِ گریہ ہیں

❀

منظور اُس نگہ کو بیانِ اشارہ ہے
کیا ہم میں کوئی اہلِ زبانِ اشارہ ہے

پھر دل سمجھ نہ پایا کہ چینِ جبیں ہے کیوں
پھر سے کھنچی ہوئی وہ کمانِ اشارہ ہے

ابروے یار ! ہم ابھی اس گو مگو میں ہیں
کیا یہ اشارہ ہے کہ گمانِ اشارہ ہے

رُوحِ سکوت کہتے ہیں اس گفتگو کو ہم
خاموشیِ سخن ہے کہ جانِ اشارہ ہے

زنہار بھول کر بھی صراحت نہ چاہیو
ابہام کا محل ہے ، زمانِ اشارہ ہے

خلوت سے اس قدر جو مجھے اختلاط ہے
وحشت سے میرے سر کو سرِ ارتباط ہے

بیمارِ گل رُخاں ہوں، چمن میں نہ لے چلو
لازم گل و سمن سے مجھے احتیاط ہے

خواہش میں ابتذال، تنزل ہے خواب میں
دل کے معاشرے میں عجب انحطاط ہے

نظم و نسق درست نہ ہو پائے دہر کا
اس اک معاملے میں بہت انضباط ہے

افسردگی کو ڈھنگ سے برتا نہ دیر تک
ہر انقباضِ شب ، سَحَرِ انبساط ہے

❀

اُسی خیمۂ قصّہ خوانی میں رہتے
وہیں سحرِ شیریں بیانی میں رہتے

وہیں بادلوں میں ٹھہر جایا کرتے
کسی کوچۂ آسمانی میں رہتے

کہانی کے بھیدوں بھرے پیچ وخم میں
کسی دفترِ داستانی میں رہتے

ہمیں قدر و قیمت نہیں چاہیے تھی
اسی کشورِ رائیگانی میں رہتے

پڑے رہتے خسرو کی قدموں کی جانب
مہاراج کی راج دھانی میں رہتے

مُرشد کا یہ قول مختصر ہے
دل جو بھی کہے وہ معتبر ہے

سوچو تو یہ سیم و زر ہیں خاکی
دیکھو تو یہ خاک سیم و زر ہے

گردابِ گناہ میں پھنسے ہیں
دامانِ دل و نگاہ تر ہے

چڑھتی ہوئی آب جوے غفلت
کچھ دن سے بہت عروج پر ہے

اِس دُھوپ میں اپنی شاخِ غم پر
اچھا ہے کہ کچھ تو برگ و بر ہے

استخارہ

بے کاریِ عاشقاں سلامت
یہ بے ہنری بھی اِک ہنر ہے

کچھ سوچ کے اُس سے بات کرنا
اُس کو تو دلوں کی بھی خبر ہے

وہ سَرو ہی دل کے کام آیا
سمجھے تھے نہالِ بے ثمر ہے

مَیں کہتا ہوں خود سے خوف کھا کر
ہوں مَیں ہی یہاں ، کوئی اگر ہے

چاہی تھی بقائے عشق لیکن
درپیش فنا کی رہ گزر ہے

جاتے ہیں عدم کو جانے والے
ہے کوئی جو اِن کا ہم سفر ہے

تجریدِ تمام کس نے پائی
مرقد سے بھلا کسے مَفر ہے

بے نام و نمود ہے نوشتہ
گم نام ہمارا نامہ بَر ہے

خورجینِ غزل ہے رَخت اُس کا
پانی پہ بچھا ہے تخت اُس کا

بغدادِ خیال میں ہے جاری
فرمانِ کشود و بست اُس کا

عطّارِ دیارِ فکر و فن ہے
سیمرغِ سخن ہے بخت اُس کا

شیرازِ ہُنروری کا والی
حافظ ہے سخن پرست اُس کا

ترمذ ہو کہ بلخ یا بخارا
ہے مایۂ بُود و ہست اُس کا

استخارہ

جیحونِ جمال کا شناور
ہر شعر صنم پرست اُس کا

ہر نکتہ ہے اس کا جانِ معنی
ہر لفظ ہے دل بہ دست اُس کا

آشوبِ شعور کی فضا میں
دل ہو گیا لخت لخت اُس کا

اوروں کا عمل ہے نا ملائم
اور ردِّ عمل ہے سخت اُس کا

ایسا ہے کہ کاٹ بھی بہت ہے
لہجہ بھی نہیں کرخت اُس کا

صحرا ہے اور اس میں سبز و خرّم
انجیر کا اک درخت اُس کا

یہ شاعری ہے نبیذ و نغمہ
مَیں رند مُعیّن مست اس کا

(محمد اظہار الحق کے لیے)

❀

روشن ہوا جو قصر تو ناگاہ کیا ہوا
روتی تھیں باندیاں کہ شہنشاہ کیا ہوا

جانِ جہاں کی نبض بھلا کیسے رُک گئی
وہ شاہِ کج کُلاہ ، وہ جَم جاہ کیا ہوا

سورج کے پاؤں پڑ کے یہ کہنے لگی سحر
تھا اک ستارہ جو مرے ہم راہ کیا ہوا

لگتا ہے آسماں نے عداوت کی ٹھان لی
وہ شحنہ پائے تخت کا بدخواہ کیا ہوا

اطراف کو گیا تھا ولی عہدِ سلطنت
کوئی خبر وہ لختِ دلِ شاہ کیا ہوا

نکلے تھے لے کے محضرِ شاہی یہاں سے تم
اے پیکِ پا بُریدہ ! سرِ راہ کیا ہوا

خواجہ سرائے خاص کی گویائی چھن گئی
لونڈی کی سرگذشت سے آگاہ کیا ہوا

ساری غلام گردشیں مبہوت ہو گئیں
کیا جانیے گذشتہ شبِ ماہ کیا ہوا

مردِ میداں ہیں تو شوریدہ سری پیشہ کریں
ورنہ اچھّا ہے فقط خوش نظری پیشہ کریں

عشق سے بڑھ کے بھی ہے کوئی یہاں فنِّ شریف
عشق کرتے ہیں سو کیا پیشہ وری پیشہ کریں

کام مشکل ہے ، ہم آگاہ کیے دیتے ہیں
جن سے نبھ جائے ، وہی در بہ دری پیشہ کریں

کچھ کمایا نہیں بازارِ خبر میں رہ کر
بند دُکّان کریں ، بے خبری پیشہ کریں

دیکھیں کیا معجزہ دکھلاتا ہے مٹّی کا ہُنر
چاک پر ہاتھ رکھیں ، کوزہ گری پیشہ کریں

وہ اُٹھا جدّت و تجرید کا طوفاں کہ یہاں
اہلِ فن ہیں وہی جو کج ہُنری پیشہ کریں

تیرہ چشمی کے فضائل ہیں مُسلّم ، لیکن
آپ مختار ہیں گر دیدہ وری پیشہ کریں

❁

شایستۂ ہر نبرد ہونا
میدانِ وفا میں مَرد ہونا

بازی گرِ شوق پر کُھلا ہے
دنیا کا بساطِ نَرد ہونا

اے چہرۂ سرخِ دوست داری
ہے تیرا نصیب زرد ہونا

اے گرمیِ حرص و آز ، تیرا
دیکھا نہیں مَیں نے سرد ہونا

اے گریہ ! بھلا یہ کیا مرض ہے
پلکوں کی جڑوں میں درد ہونا

اے راہِ سُلوک ! چاہتا ہے
دل آج بھی تیری گرد ہونا

اے مطلعِ خمسۂ نظامی
آیا تجھے کیسے فرد ہونا

سوال اُس سے ہمارا کہاں نباہ کا ہے
مطالبہ ہے مگر صرف اِک نگاہ کا ہے

ہمیشگی کے مراسم تو دل کو راس نہیں
علاج اس کا وہی ربط گاہ گاہ کا ہے

مَیں دینِ عشق میں توحید کا جو قائل ہوں
تو معجزہ یہ ترے حُسنِ بے پناہ کا ہے

وصال و ہجر سے مَیں کس کا انتخاب کروں
یہاں پہ خود سے مجھے خوف اشتباہ کا ہے

خبر نہیں ہے ابھی اُس کی کم نگاہی کو
کہ ایک مرحلہ خود یہ بھی رسم و راہ کا ہے

مؤرخوں کو کسی اور پر نہ شک گزرے
کہ مجھ کو مارنے والا مری سپاہ کا ہے

افسانۂ فکر بھی فسوں ہے
آنکھوں میں خمارِ خواب گوں ہے

زنبیلِ دماغِ بے اماں میں
جو کچھ ہے ، اثاثۂ جنوں ہے

خورجینِ خیالِ خوش گماں میں
جو نقش ہے ، نقشِ واژگوں ہے

فتراکِ فتوحِ جسم و جاں میں
جو صید ہے ، خستہ و زبوں ہے

دل میں جو رہی سہی ہے دھڑکن
لگتا ہے صدائے خشکِ خوں ہے

❀

منظرِ دل بھی واہمہ تو نہیں
کہیں یہ بھی مغالطہ تو نہیں

یہ تو عطّار کا نوشتہ ہے
آپ کا لکھّا تذکرہ تو نہیں

یہ حدیں تو ہیں میرے مالک کی
یہ مرا اپنا دائرہ تو نہیں

شیخ کا حلقۂ توجّہ ہے
یہ ہمارا مراقبہ تو نہیں

خواب ہے ایک مردِ کامل کا
ناقصوں کا مشاہدہ تو نہیں

نہ جاگیریں ، نہ مال و زر ہمارا
ہے پامالِ معیشت سر ہمارا

نہالِ عیش کے پھَل پھُول اُس کے
نہالِ غم کا برگ و بَر ہمارا

یہ مہر و مَہ، یہ بحر و بر ہیں اُس کے
ہے کہنے کو یہ خشک و تر ہمارا

ہے سب اُس کی مشیّت کا تقاضا
دِکھاوے کا ہے خیر و شر ہمارا

قلندر وار دنیا سے بَری ہیں
دلِ سرگشتہ ہے بوذر ہمارا

خدا کا شکر ہے ہم بے ضرر ہیں
کسی کو بھی نہیں ہے ڈر ہمارا

یہ کُوچے دل کا نقشہ لگ رہے ہیں
کبھی ہوتا تھا اِن میں گھر ہمارا

بہت سے عکس مِرے آئنوں میں رہتے تھے
بہت سے چاند مِرے پانیوں میں بہتے تھے

یہ خدّ و خال تو دیکھے ہوئے سے لگتے ہیں
تم اس سے پہلے بھلا کس نگر میں رہتے تھے

ہم اہلِ دل کی نگاہوں میں اہلِ زر بھی رہے
جو اہلِ زر تھے ہمیں اہلِ دل بھی کہتے تھے

سِدھا لیا تھا ترے غم نے اس طرح سے کہ ہم
غمِ جہاں بھی ترا غم سمجھ کے سہتے تھے

ہم اپنے دل کی چٹانوں سے پُھوٹتے تھے مُعینؔ
اور اس کے بعد زمان و مکاں میں بہتے تھے

یہ صورتِ حال بھی عجب ہے
برسوں سے بس ایک ہی طلب ہے

درماں تو ضرور ہوگا اس کا
یہ درد اگرچہ بے سبب ہے

کچھ دن سے تو ذہن بھی ہے ماؤف
اور خیر سے دل بھی جاں بہ لب ہے

آرائشِ حُسن ہے اضافی
وہ اس کے بغیر بھی غضب ہے

اب کس کو ہے پاسِ پردہ داری
اب عشق میں کون با ادب ہے

مجنوں میں نہیں کمال کوئی
لیلیٰ کے سبب سے خوش لقب ہے

پہلے ہی دن کُھلا یہ جواب و سوال میں
کچھ حُسن اُس کے دل میں ہے، کچھ خدوخال میں

سیلابِ شوق میرا توازُن تو لے گیا
لیکن وہ خوش مزاج رہا اعتدال میں

جسموں سے ماورا بھی حقایق بہت سے ہیں
پائی ہے دل نے روشنی شامِ وصال میں

آئی ہے بارہا ترے آنے سے پیشتر
پازیب کی چھنک مرے کُنجِ خیال میں

تجھ سے ملا نہ تھا تو یہی سوچتا تھا مَیں
انسان خود کفیل نہیں ہے جمال میں

گریہ حصار ہے تو خموشی فصیل ہے
درویش کی سپاہ تو صبرِ جمیل ہے

ہُدہُد نے ایسے شہرِ خرابی کی بات کی
جس کی زمین بانجھ ہے ، بادل بخیل ہے

نام و نمود و ثروت و منصب میں کچھ نہیں
یہ ساز و رخت سارا متاعِ قلیل ہے

یہ گفتگو ، یہ بحث ، یہ تلقیں ، یہ موعظت
ناچیز کی نظر میں سبھی قال و قیل ہے

اے جمعِ زرگراں! مجھے تم سے غرض نہیں
میری ضروریات کا وہ خود کفیل ہے

دیارِ شوق میں آیا ہوا تھا دُور سے مَیں
مِلا طواف کُناں ایک موجِ نُور سے مَیں

مَیں پوچھتا تھا کہ رہتا ہے کون اِس گھر میں
مرے جواب میں کہتی تھی وہ غرور سے: مَیں

پھر اُس نے خود ہی کہا شانِ دل رُبائی سے
کہ آج اِدھر کو چلی آئی کوہِ طُور سے مَیں

مَیں سوچتا تھا کہیں یہ بھی وسوسہ ہی نہ ہو
ڈرا ہوا تھا بہت نفس کے فتور سے مَیں

وہاں پہ سُورۂ اصحابِ فیل سُنتا تھا
فضائے قُدس میں اُڑتے ہوئے طیور سے مَیں

استخارہ

یقین ہو گیا صدقِ مکاشفہ کا مجھے
سو سجدہ ریز ہوا قلبِ ناصبور سے مَیں

پھر ایک کپکپی شدّت سے مجھ پہ طاری ہوئی
لرزتا پھرتا تھا اِک وجد کے وفور سے مَیں

دل و نظر پہ تھا الہامِ کیفِ داوٗدی
کہ پڑھ رہا تھا کئی آیتیں زبور سے مَیں

قریب تھا کہ مَیں مدہوش ہو کے گر جاتا
کچھ ایسے مست ہوا لذّتِ سرُور سے مَیں

خیال ہی نہ رہا مجھ کو سات پھیروں کا
بچھڑ گیا تھا کہیں پر مرے شعور سے مَیں

وہیں کہیں وہ تجلّی بھی جُزوِ غیب ہوئی
اُسی کو مانگنے آیا ہوں اب حضور سے مَیں

ریاضِ مرقد و محراب میں بسر کی ہے
گزشتہ رات عجب خواب میں بسر کی ہے

کسی سبب کی ضرورت نہیں پڑی ہے ہمیں
کچھ ایسے عالمِ اسباب میں بسر کی ہے

رہِ سُلُوک سے سیکھا ہے زندگی کا چلَن
تمام عمر کچھ آداب میں بسر کی ہے

زمین کہتی ہے پانی سے مجھ کو زندہ کر
کہ مَیں نے سوکھتے تالاب میں بسر کی ہے

اس ایک شام کے مقروض تھے کسی کے مگر
یہ شام بھی اُنھی احباب میں بسر کی ہے

پڑھا جو پہلے، ''گلستاں'' کا بابِ پنجم تھا
سو ہم نے عمر اسی باب میں بسر کی ہے

تمھاری تم کو خبر ہو مُعینؔ ، ہم نے تو
اِنھی کھنچے ہوئے اعصاب میں بسر کی ہے

❀

شمارِ قطرہ ہائے ابرِ نیسانی نہیں کرتے
ہم اپنے دیدۂ تر کی نگہ بانی نہیں کرتے

چلے جاتے ہیں جُوں ابرِ رواں دشتِ تمنّا میں
کہیں رُکنے کی لغزش تیرے سیلانی نہیں کرتے

طوافِ کعبۂ دل اُن کی قسمت میں نہیں ہوتا
جو اپنے نفسِ امّارہ کی قربانی نہیں کرتے

شریعت پر عمل پیرا نہ ہونا بدنصیبی ہے
طریقت کے شناسا ایسی نادانی نہیں کرتے

حقیقت کی عمل داری میں سکّہ ان کا چلتا ہے
قلندر، اہلِ دُنیا کی سی سُلطانی نہیں کرتے

تقرُّب کی ولایت میں اُنھی کی بادشاہی ہے
جو سیم و زر کے گنجینے کی دربانی نہیں کرتے

اُنھی پر منکشف ہوتے ہیں راز و رمزِ عرفانی
جو ان کو فاش کر کے فتنہ سامانی نہیں کرتے

وہی منبر نشیں رکھتے ہیں آگاہی معارف کی
جو سوچے بِن سرِ منبر گُل افشانی نہیں کرتے

بہ گوشِ ہوش سُن لیجے، وہی مردانِ کامل ہیں
جو مستی میں بھی ظاہر سرِّ رُوحانی نہیں کرتے

شرابِ ناب پیتے ہیں خراباتِ محبت میں
مگر اظہارِ کیفیّاتِ وجدانی نہیں کرتے

لیے پھرتے ہیں علمِ اَنفُس و آفاق سینے میں
کنایے میں بھی تشہیرِ ہمہ دانی نہیں کرتے

نہایت عاجزی سے اپنا موقف پیش کرتے ہیں
وہ اس کو شاملِ ارکانِ ایمانی نہیں کرتے

بہ جاے پیشوائی کے، مُقلِّد بن کے رہتے ہیں
مگر فہم و فراست کو بھی زندانی نہیں کرتے

بجز اخلاص مندی کچھ نہیں ہوتی غرض ان کی
وہ اپنے حق میں تاویلاتِ قرآنی نہیں کرتے

فصاحت میں بھی یکتاے زمانہ گرچہ ہوتے ہیں
مگر وہ اِدّعاے شانِ سَحبانی نہیں کرتے

کوئی ثانی نہیں رکھتے وہ حمد و نعت گوئی میں
مگر بُھولے سے بھی دعواے حَسّانی نہیں کرتے

ریاضت اور حُسنِ خُلق کو سُنّت سمجھتے ہیں
غرورِ زہد و کبرِ خندہ پیشانی نہیں کرتے

ہمارا پند نامہ نغمۂ سازِ تغزّل ہے
کہ از راہِ تفنّن ہم غزل خوانی نہیں کرتے

❀

کہانی مختصر ہے اَیُّھا النّاس
مقامِ الحذر ہے اَیُّھا النّاس

مآلِ اہلِ غفلت سے خبردار
کہ دُنیا بے خبر ہے اَیُّھا النّاس

جسے جتنا ہے دعوائے بصیرت
وہ اُتنا بے بصر ہے اَیُّھا النّاس

مُسلّم جس کی غدّاری ہے وہ گھر
ہمارا مستقر ہے اَیُّھا النّاس

سمجھتے ہیں جسے ہم قصرِ عشرت
وہ عبرت کا کھنڈر ہے اَیُّھا النّاس

جو دانا تھے خرابوں میں رہے ہیں
وہیں گنجِ شکر ہے اَیُّھا النّاس

قبائے فقر ہو یا دلقِ شاہی
خسارہ سر بہ سر ہے اَیُّھا النّاس

حدودِ منزلِ نعمت سے آگے
شکایت کا نگر ہے اَیُّھا النّاس

ہنر تو عمر ساری مانگتا ہے
فقیری بھی ہنر ہے اَیُّھا النّاس

گلی کوچوں میں درویشوں کی صورت
خدا خود در بہ در ہے اَیُّھا النّاس

☆

قتالِ صبر میں مدِّ مقابل
طلب سینہ سپر ہے اَیُّھا النّاس

ہمارے سامنے رزمِ رضا میں
طلب تیغ و تبر ہے اَیُّھا النّاس

طلب زَرتُشت کا آتش کدہ ہے
یہ شعلہ ہے، شرر ہے اَیُّھا النّاس

طلسمِ سامری کا سحر پارہ
یہ گاوِ سیم و زر ہے اَیُّھا النَّاس

ہے یہ آتش فشاں لیکن بالآخر
چراغِ رہ گزر ہے اَیُّھا النَّاس

جو تاجِ تَرک زیبِ سر کرے گا
وہ شاہِ بحر و بر ہے اَیُّھا النَّاس

یہاں جو زہر کو بھی شہد سمجھے
وہی گنجِ شکر ہے اَیُّھا النَّاس

نہ رکھو آتش و پنبہ کو یک جا
کہ امکانِ ضرر ہے اَیُّھا النَّاس

عُیوبِ دُشمناں سے چشم پوشی
نشانِ دیدہ ور ہے اَیُّھا النَّاس

اگر کرتا ہے اپنی پردہ داری
تو نقصِ پردہ در ہے اَیُّھا النَّاس

مدارِ جسم و جاں کس چیز پر تھا
مدار اِس چیز پر ہے اَیُّھا النَّاس

جو اپنی موت سے پہلے مَرے گا
وہی بندہ اَمَر ہے اَیُّھا النَّاس

☆

نصیبوں میں نہیں ہے چشمِ پُرنم
مگر دامانِ تر ہے اَیُّھا النَّاس

شبِ عصیاں کا یہ نجمِ ندامت
ولی عہدِ قمر ہے اَیُّھا النَّاس

یہ تمہیدِ طلوعِ روشنی ہے
یہ تشبیبِ سحر ہے اَیُّھا النَّاس

ہم ایسے ناقصوں کو لے کے چلنا
کمالِ راہ بَر ہے اَیُّھا النَّاس

ہمارے اپنے ہی ہاتھوں میں اپنی
کمندِ خیر و شر ہے اَیُّھا النَّاس

ہماری نیّتوں کی گھاٹیوں میں
ہمیں خود سے خطر ہے اَیُّھا النَّاس

کہاں جائیں ، ہمارے رَہ زنوں کا
ہمارے دل میں گھر ہے اَیُّھا النَّاس

پہنچ جانے کا نشّہ ہے ہلاکت
کہ یہ ساحل بھنور ہے اَیُّھا النّاس

☆

ہمیشہ بے ثمر رہنے کی لذّت
محبت کا ثمر ہے اَیُّھا النّاس

پَنہَ دیتا ہے سب کو جس کا سایہ
محبت وہ شجر ہے اَیُّھا النّاس

محبت کو ہے زیبا بادشاہی
محبت شیرِ نر ہے اَیُّھا النّاس

محبت کوئی بیماری نہیں ہے
محبت چارہ گر ہے اَیُّھا النّاس

جو اپنے شر سے ڈرنا جانتا ہو
وہی سچّا نڈر ہے اَیُّھا النّاس

جو فتنہ مانعِ پرواز ہوگا
وہ فکرِ بال و پر ہے اَیُّھا النّاس

☆

مرے ذرّوں سے بنتے ہیں فرشتے
یہ معراجِ بشر ہے اَیُّھا النّاس

شرابِ عشق و خرمائے محبت
مرا زادِ سفر ہے اَیُّھا النّاس

یہ باتیں علم و دانش کی نہیں ہیں
یہ فیضانِ نظر ہے اَیُّھا النّاس

یہ تاثیرِ کُتُب خانہ نہیں ہے
یہ صحبت کا اثر ہے اَیُّھا النّاس

یہ مٹی کی خصوصیت نہیں ہے
یہ فنِ کوزہ گر ہے اَیُّھا النّاس

روایت پر یقیں کرنا پڑے گا
کہ راوی معتبر ہے اَیُّھا النّاس

چشم و چراغِ فقر ہے اور جانِ بوریا
یہ خاک سار دل کہ ہے جانانِ بوریا

دل زندہ رودِ عشقِ رسالت مآب ہے
صُفّہ بنا ہوا ہے صفاہانِ بوریا

اسبابِ دو جہاں سے کفایت نہ جب ہوئی
ہم کو عطا ہوا سر و سامانِ بوریا

ہم خرقہ پوش والیِ تاج و نگیں بھی ہیں
باندھا ہے ہم سے تخت نے پیمانِ بوریا

خواہش کے خار و خس کی خلش سے فراغ ہے
اب ہے خدا نما دلِ رندانِ بوریا

کوئی کشش اب اطلس و کم خواب میں نہیں
دل ہو گیا کچھ ایسے تن آسانِ بوریا

بُرہانِ پرنیاں سے ہمیں کچھ شغف نہیں
اب ہم ہیں اور قاطعِ بُرہانِ بوریا

پھر رُوحِ پُرفتوح کا روزینہ لگ گیا
پھر بَٹ رہی ہے نعمتِ الوانِ بوریا

ذوقِ حضور و سوز اگر نان و آب ہے
وجد و سماع ہے نمکِ خوانِ بوریا

تجسیمِ رقص و نغمہ ہیں یہ نالہ ہائے نَے
یہ تار و پُودِ مِسطرِ دیوانِ بوریا

شکر و رضا سے بڑھ کے محافظ کوئی نہیں
خود بوریا نشیں ہے نگہ بانِ بوریا

غالیچۂ ریا کی وراثت یہاں نہیں
درویش ہے مُفسّرِ عرفانِ بوریا

ہے لازوال صرف قناعت کی سلطنت
جاری ازل سے جس میں ہے فرمانِ بوریا

وہ سلسلہ غنائی ہے بیعت ہیں جس میں ہم
پڑھنا کبھی یہ شجرۂ دامانِ بوریا

احسان ہم پہ شبنمِ ذکرِ خفی کا ہے
شاداب ہو گیا ہے گلستانِ بوریا

لب خند کے گلابِ مسیحائی جس میں ہیں
ایسا چمن ہیں زخم نہادانِ بوریا

دہلیز پر ہی کِبر کے جُوتے اُتاریے
یہ حجرۂ حقیر ہے ایوانِ بوریا

فرشِ حصیر ہم سرِ عرشِ کبیر ہے
جس پر ہے محوِ سجدہ وہ سلطانِ بوریا

ہوگا امام اپنا تراویحِ شوق میں
دل ہو گیا ہے حافظِ قرآنِ بوریا

دی جائے اطلاع زلیخائے زُہرہ کو
ہے بُرجِ قوس میں مہِ کنعانِ بوریا

بلقیسِ خود پسند ! امیدِ نظر نہ رکھ
ہم سیر چشم بھی ہیں سلیمانِ بوریا

دھاگے یہ کس کے پیرہنِ زرفشاں کے ہیں
کاڑھی ہے کس نے جدولِ تابانِ بوریا

مجھ سے نہیں غریب یہ موضوعِ شاعری
مَیں پانچ پُشت سے ہوں ثنا خوانِ بوریا

تعریف کیا ہو گفتۂ بیدلؔ کی اے مُعینؔ
شیرِ خدا ہے شیرِ نیستانِ بوریا

عجب سکون میسّر تری جناب میں تھا
کہ مَیں ظہیر تھا اور اپنے فاریاب میں تھا

مَیں چُومتا تھا تری گنج بخش چوکھٹ کو
کہ جو بھی ممکنہ احساں تھا، میرے باب میں تھا

سفر کا حُکم نہ ہوتا تو مَیں وہیں ہوتا
کہ میرا حُجرہ ترے شہرِ آب و تاب میں تھا

سفر بھی ایک مقامِ سُلوکِ باطن ہے
عبور اس پہ بھی شامل مرے نصاب میں تھا

سفر تعب ہے اور اس پر دلیلِ روشن ہے
سفر کا داغ دلِ زارِ ماہتاب میں تھا

سو امتثال میں مَیں رَخت باندھ کر نکلا
وگرنہ فایدہ کیا مجھ کو اس عذاب میں تھا

مگر مَیں منزلِ اصلی سے منحرف نہ ہوا
کہ یہ سبق مرے اجداد کی کتاب میں تھا

کسی کشش نے دلِ خیرہ سر کو سر نہ کیا
طلسم ایسا مرے فقرِ لاجواب میں تھا

رفیق ہو گئی توفیق ، شکرِ ایزد ہے
وگرنہ نفس تو مصروف اجتناب میں تھا

مثالِ سایہ مَیں پلٹا تو اصل تک پہنچا
کہ بُوے گل تھا مَیں، مرکز مرا گلاب میں تھا

ترے حُضُور بَدَن تھا تمام دیدۂ شوق
خروشِ بحر اس آئینۂ حباب میں تھا

اِدھر نگہ میں مجسّم ہوئی تھی جاں ساری
اُدھر وہ جلوۂ دیدار التہاب میں تھا

گزاری نذر ، نظر نے ، حواسِ خمسہ کی
خرد کا سلسلہ زنجیرِ پیچ و تاب میں تھا

قبولِ درد سے وہ لرزشِ خفی تھی کہ دل
اس ارتعاش سے نکلا تو اضطراب میں تھا

عیاں ہوئی وہ بیاضِ گُنہ جو پنہاں تھی
کھلا وہ نامۂ اعمال جو حجاب میں تھا

شعور ، محوِ شمارِ ندامتِ عصیاں
ضمیر، گریہ کُناں، غرق احتساب میں تھا

جو آہ بھی تھی ، وہ پروردۂ تمازت تھی
جو اشک بھی تھا ، وہ سیراب خونِ ناب میں تھا

پھنسا ہوا کسی گرتی ہوئی عمارت میں
مَیں ٹُوٹ پُھوٹ کی زد پر تھا، اضطراب میں تھا

یقین ہی نہیں آتا وہ اشک میرے تھے
دفینہ اِتنا مرے خانۂ خراب میں تھا

دھڑک رہا تھا زمان و مکاں سے ہٹ کے کہیں
وہ لمحہ جو تری تقویم کے حساب میں تھا

خوشا عروج کہ مَیں تیری خاکِ پا ٹھہرا
زہے کمال کہ یہ ذرّہ آفتاب میں تھا

مرا مدارِ سعادت تھا تیری نسبت پر
مرا شَرف مرے اِس حُسنِ انتساب میں تھا

نجانے رات کو یہ شعر کس نے لکّھے ہیں
کہ مَیں تو شام سے گم گشتہ گردِ خواب میں تھا

ترے کرم سے یہ الفاظ سرفراز ہوئے
وگرنہ کیا مرے اشعار کی کتاب میں تھا

اے ابرِ فیض ! تجھی نے مرا بھرم رکھا
وگرنہ مَیں تو گرفتار اک سراب میں تھا

سخن کا رنگِ تراوش ہوا ہے الہامی
مَیں خوش نصیب کسی چشمِ انتخاب میں تھا

❀

جمالِ حلقۂ خوش چہرگاں مبارک ہو
فروغِ انجمنِ عاشقاں مبارک ہو

تجلّیاتِ توجّہ کا انعکاس ہوا
تصّرفِ سخنِ عارفاں مبارک ہو

کسی کی یاد کے تنکوں کی ایک کُٹیا ہے
دُعا کرو کہ ہمیں یہ مکاں مبارک ہو

دُعاے صبح گہی بامراد ہوتی ہے
عطا ہوا ہے نیا بادباں ، مبارک ہو

مژہ سے چل کے پہنچتے ہیں عرش تک آنسو
عروج کرتا ہوا کارواں مبارک ہو

استخارہ

سوادِ قریۂ دلدار کی نشانی ہے
یہ سنگِ میل، ہمیں، رہ رواں، مبارک ہو

پہنچ گئے ہیں بالآخر جہاں پہنچنا تھا
تھکن اتر گئی ، اے ہم رہاں ، مبارک ہو

نظر کو جلوہ گری گنبدِ معلّٰی کی
جبیں کو سنگِ درِ آستاں مبارک ہو

پناہِ سایۂ رحمت میں آن بیٹھے ہیں
ہم عاصیوں کو یہ دارُ الاماں مبارک ہو

ہمارے ساتھ شجر بھی ، حجر بھی ، طائر بھی
ہیں مدحِ شیخ میں رطبُ اللّساں مبارک ہو

وہ چہرہ ، دل کو شبِ قدر میں نظر آیا
زمیں پہ اُترا ہوا آسماں مبارک ہو

طَرب تبار ہے ، وارفتگی نژاد ہے وہ
وہ میرِ قافلہ ، وہ سارباں مبارک ہو

اُسی کے ہاتھ میں ہے خاتمِ سلیمانی
یہ مُہرِ کشورِ دل دادگاں مبارک ہو

دل و نظر کی تمنّا ہے منکشف اُس پر
خیال و خواب کا وہ رازداں مبارک ہو

جو تشنہ لب ہیں اذیت کے ریگ زاروں میں
اُنھیں یہ چشمۂ پیرِ مغاں مبارک ہو

یہ وردِ شام و سحر ہے ، یہ حرزِ ایماں ہے
تمھارا نام ہمیں ، جانِ جاں ، مبارک ہو

فقیر شام کو جب سُوے خانقاہ چلے
کبوتروں نے کہا : آشیاں مبارک ہو

جب اُن کی محفلِ پُرنور میں یہ شعر پڑھے
تو آئی غیب سے آواز : ہاں مبارک ہو

یہ شاعری درِ جاناں پہ باریاب ہوئی
یہ طرزِ فکر ، یہ حُسنِ بیاں مبارک ہو

کنارِ آب ہمیں ایک موج نے یہ کہا:
حضور کہتے ہیں : طبعِ رواں مبارک ہو

سماعتیں ہیں کہ خوشبوے گل کے خرمن ہیں
ہے نغمہ گر کوئی غنچہ دہاں ، مبارک ہو

نظر لگے نہ کہیں حُسنِ صَوت و صُورت کو
فسوں طرازیِ زُہرہ وشاں مبارک ہو

نظامؔ رنگ میں رنگنا ہمارے تن من کو
بسنت آ گئی ، کرّوبیاں ، مبارک ہو

رہے سروں پہ ہُمائے سماع کا سایہ
ہمیں یہ مُلکِ زمین و زماں مبارک ہو

کبھی تھمے نہ یہ آہنگِ خُسروی دل میں
رگوں میں لرزہ ہمیں جاوداں مبارک ہو

نثار تم پہ مری چشمِ تر کے لعل و گہر
یہ رقصِ مولوی ، دیوانگاں ، مبارک ہو

یہ کام ظرف کا ہے ، رِند ہی سمجھتے ہیں
سرود بر سرِ نوکِ سناں مبارک ہو

ملنگ گردشِ دوراں کو روک سکتے ہیں
اے پیرِ مے کدہ ! عزمِ جواں مبارک ہو

خوشا وہ سر جو خمیدہ درِ حبیب پہ ہے
اُسے وفا کی یہ جنسِ گراں مبارک ہو

ہزار شکر کہ یہ اہلِ عقل رہتے ہیں
ہمارے جذب پہ خندہ زناں ، مبارک ہو

یہ اہلِ زُہد ہیں مفتونِ قیل و قال سبھی
انھیں نزاعِ چنیں و چناں مبارک ہو

فقیہ و مفتی و واعظ ہیں پیشہ ور سارے
ہمیں ملامتِ پیشہ وراں مبارک ہو

شُیُوخ بھی زرِ قارون کے مجاور ہیں
ہمیں کبیدگیِ زرگراں مبارک ہو

سُبک سری کے یہ دستار بند زندانی
ہوئے ہیں ہم سے سبھی سرگراں ، مبارک ہو

اُنھیں نصیب رہے اُن کی تنگ دامانی
ہمیں یہ حوصلۂ بے کراں مبارک ہو

جو چلّہ کش رہے حُور و قصور کی خاطر
اُنھی کو مژدۂ حُورِ جناں مبارک ہو

گدائے نفس کو حاصل مرادِ نفس رہے
ہمیں گدائیِ شہرِ بُتاں مبارک ہو

نصیب سُود ہو سوداگرِ طریقت کو
ہمارے دل کو متاعِ زیاں مبارک ہو

ہمیں غرض ہی نہیں سرد و گرمِ دنیا سے
ہمیں یہ موسمِ آہ و فغاں مبارک ہو

بہارِ وصل ملے جن کا مدّعا یہ ہے
ہمیں تو ہجر کا عہدِ خزاں مبارک ہو

کریں جو خواہشِ مرہم خدانخواستہ ہم
تو وہ کہیں : یہی زخمِ نہاں مبارک ہو

ہمیں عزیز ہے یہ تار تار خرقہ ہی
رفو گری تمھیں چارہ گراں ، مبارک ہو

ہمیں یقین کی نعمت کا لطف ملتا ہے
فقیہِ عصر کو رنجِ گماں مبارک ہو

اگر ہے فسقِ عیاں اپنا نعرۂ یا ہُو
تو صاحبو ! ہمیں فسقِ عیاں مبارک ہو

قلندروں کو مبارک دل و جگر اپنے
تمھیں وہ ترکش و تیر و کماں مبارک ہو

ہمارا ذکرِ خفی برقِ آسمانی ہے
یہ ضربِ صاعقۂ ناگہاں مبارک ہو

جہادِ نفس ہمارا جہادِ اکبر ہے
ادائے فرض تمھیں غازیاں مبارک ہو

ہم اپنی بیعتِ لوح و قلم پہ نازاں ہیں
ہمیں یہ سلسلۂ رایگاں مبارک ہو

ہمیں اجازۂ قرطاس و کلک کافی ہے
ہمیں خلافتِ دیدہ وراں مبارک ہو

کرشمے ہیں، نہیں یہ شعبدے جادوگری کے
کہ جنّ و اِنس تابع ہیں مری انگشتری کے

○

ذرا سی مَیں جو توجہّ مزید کر لیتا
تو آئنے سے وہ چہرہ کشید کر لیتا

○

نمو ہو جس میں وہ والا نہیں ہے
زمیں کا رنگ مٹیالا نہیں ہے

○

سُرمۂ چشمِ بصیرت ہے مجھے
گرد سرمایۂ عبرت ہے مجھے

○

رُو سیاہی سرِ مُو کم نہ ہوئی
چار ابرو کا صفایا کرکے

○

آلودگی جو ذہن میں ہے دُھل کے پاک ہو
تا دیر چشمِ یار کے آگے کھڑے رہیں

○

صبح نے عالَمِ حیرت میں افق سے یہ سُنا
اک دِیا بیعتِ خورشید سے انکاری ہے

○

مَیں اُس کے شہر میں رہتے ہوئے یہ سوچتا ہوں
جمالِ شہر الگ ہے ، ملال شہر جُدا

○

اہلِ دُنیا سے کیا مکالمہ ہو
وہ گراں گوش اور ہم کم گو

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شاعری اور تصوّف ایک دوسرے کی جانب راہ نمائی کرتے ہیں کیوں کہ شاعر اور صوفی، دونوں کی قوتِ متخیّلہ میں حیرت انگیز فطری مناسبتیں پائی جاتی ہیں۔ دونوں کے دلوں میں جذب وشوق اور سوز ومستی کا الاؤ دہکتا رہتا ہے۔ دونوں کی نمناک آنکھوں میں ''کُلَّ یومٍ ھُوَ فِي شَان'' کی مظہر حسنِ مجرّد کی لحظہ بہ لحظہ رنگ بدلتی نو بہ نو تمثیلیں، تمثالوں کے روپ میں تیرتی رہتی ہیں اور دونوں کا وجدان انھیں جرعہ جرعہ منازلِ سلوک کا عرفان عطا کرتا چلا جاتا ہے۔

معین نظامی کو یہ تخصّص حاصل ہے کہ اس کی ذات میں شاعر اور صوفی، دونوں ایک وحدت میں ڈھلے ہوئے ملتے ہیں۔ اور یہ کسی کاوش یا اکتساب کا نتیجہ نہیں بلکہ جنین کا تسلسل اور باپ دادا کی وراثت ہے۔ وہ اپنے اسلاف کی ڈگر سے کہیں دور جا بھی نہیں سکتا کہ اسے کوئی غیبی ہاتھ روک لیتا ہے:

پکارتا ہے مجھے خون باپ دادا کا   لگا ہوا ہے جو خرقے پہ داغ جلتا ہے

چنانچہ جب اس کے استخارے کو زبان ملتی ہے تو اس کی شاعری منصۂ شہود پر جلوہ ریزیاں کرنے لگتی ہے۔ تب حمد ومناجات اور نعت ومناقب کا تلمیحی اظہار اور عارفانہ بیانِ غزل کے پُرتاثیر رنگ وآہنگ میں اور غزل کے اشعار الہام کے دلگداز نورانی پیکروں میں ڈھل جاتے ہیں۔ یہی تو کسی چشمِ انتخاب کا کرشمہ ہے جس کے دائرۂ عطا میں معین نظامی اپنے باپ دادا کے قدم بہ قدم کھڑا ہے:

سخن کا رنگِ تراوش ہوا ہے الہامی   مَیں خوش نصیب کسی چشمِ انتخاب میں تھا

مجھے یقین ہے کہ معین نظامی کا ''استخارہ'' اس کے قارئین کو بھی اپنے اپنے ظرف کی مناسبت سے اس کی وجدانی کیفیات اور الہامی واردات سے سرشار ہونے کا سامان فراہم کرے گا۔

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری

Rs: 200

بک سٹریٹ 46-مزنگ روڈ لاہور، پاکستان فون: 7231518-7245072 فیکس: 042-7310854
E-mail: bookhome1@hotmail.com - bookhome_1@yahoo.com